مولانا ڈاکٹر عبدالرزق اسکندر

حضرت شیخ اور بلادِ عربیہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو حرمین شریفین اور بلادِ عربیہ سے قلبی، روحانی اور علمی تعلق تھا۔ آپ کے افکار کا افق نہایت وسیع تھا۔ آپ ہمیشہ بین الاسلامی بلکہ بین الاقوامی سطح پر سوچتے تھے۔ اپنے ملک کے علاوہ بلادِ عربیہ کی دینی، علمی اور سیاسی حالات پر ہمیشہ گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی دینی، علمی اور سیاسی ترقی پر خوشی و مسرت کا اظہار فرماتے اور اگر ان میدانوں میں ان کے ضعف اور کمزوری کی خبر سنتے تو ان کو قلبی رنج پہنچتا۔ اپنی خوشی یا رنج کا اظہار اپنے خطوط میں فرماتے یا ''بینات'' کے بصائر وعبر میں بیان فرماتے اور ساتھ ساتھ اس مرض کا علاج بھی ناصحانہ انداز میں ذکر فرماتے۔ بعض دفعہ عرب ممالک کے ملوک اور رؤسا کو بالمشافہ یا خطوط کے ذریعہ نصیحت فرماتے۔ آپ کا ہر سفر بلادِ عربیہ کا ہو یا دوسرے ممالک کا علمی افادہ یا دعوت وارشاد کی غرض سے ہوتا تھا۔ آپ نے کسی مادی غرض کے لئے کبھی کوئی سفر نہیں فرمایا۔ اس حقیقت کی طرف آپ نے ''بینات'' کے بصائر وعبر (۱) کے ضمن میں یوں بیان فرمایا:

''اس دفعہ زیارت حرمین شریفین کے بعد بلادِ عربیہ کے دو ایک نئے ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جدہ سے بیروت ہوکر طرابلس الغرب (ٹریپولی) جانا ہوا۔ یہ سفر خالص دینی، دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے تھا..... تقریباً ایک ماہ تک طرابلس، عمان اور کویت وغیرہ کے دیکھنے، وہاں کے دینی حالات کا مشاہدہ کرنے، عالم اسلام کے اصلاحی امکانات کا صحیح جائزہ لینے، وہاں کے حکام، اہل فکر اور عوام سے ملنے اور ان سے دعوت دین کے موضوع پر خطاب کا موقع ملا''۔

اور جب آپ نے مشرقی افریقہ کا سفر فرمایا (جو خالص دینی مقصد کے لئے تھا) تو آپ وہاں مسلمانوں

---

(۱).....ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

کے اجتماعات سے فرماتے کہ میں چندہ جمع کرنے نہیں آیا' بلکہ آپ کو آپ کا فرض یاد دلانے آیا ہوں اور آپ ان موضوعات پر بیان فرماتے۔ ایمان، اللہ ورسول کی محبت اور اطاعت، عجائب قدرت، اتحاد واخلاص وغیرہ۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی جامع شخصیت وہاں کے عام علمی حلقوں میں معروف تھی اور بلاد عربیہ کے کبار مشائخ سے آپ کے علمی اور روحانی تعلقات تھے۔ حرمین شریفین کے علماء ہوں، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اساتذہ ہوں یا جامعہ ازہر کے شیخ الازہر اور مصر کے علماء ہوں۔ سب ہی آپ کے دوست اور مداح تھے۔

مذکورہ بالا اغراض کی روشنی میں آئندہ صفحات میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بلاد عربیہ سے تعلق کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حرمین شریفین

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو حرمین شریفین سے والہانہ تعلق تھا اور اس تعلق کا صحیح اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنہوں نے آپ کو قریب سے دیکھا' یا آپ کے ساتھ حج ادا کیا ہو۔ آپ جب بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھتے اور زبان سے تلبیہ پڑھنا شروع فرماتے: لبیک اللھم لبیک .....تو اس والہانہ انداز میں تلبیہ پڑھتے کہ سننے والے پر بے ساختہ رقت اور گریہ طاری ہو جاتا۔

تلبیہ کے ساتھ ساتھ دعائیہ جملے بھی زبان پر جاری رہتے اور آنکھیں پرنم رہتیں۔ دل و دماغ اور جوارح سب ہی عبادت میں مشغول رہتے اور عبادت میں جو کیفیت (ایماناً واحتساباً) کی مطلوب ہے' وہی کیفیت طاری رہتی۔

اس والہانہ کیفیت کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ اس عبادت کو اس کے فرائض وواجبات اور سنن وآداب کے ساتھ ادا فرمائیں اور اس کا اتنا اہتمام فرماتے کہ حج سے پہلے بھی حج کے مسائل پر مختلف بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور حج کے دوران بھی ایک آدھ اہم کتاب اپنے ساتھ رکھتے۔ علماء حضرات جب ملنے حاضر ہوتے تو انہیں اہم مسائل کی طرف توجہ دلاتے۔ حج کے دوران بہت سے حجاج کرام آکر مسائل پوچھتے، ان میں عرب بھی ہوتے۔ آپ جواب دیتے اور ان کے اس طرزِ عمل پر خوشی کا اظہار فرماتے اور فرماتے کہ: کتنے اچھے لوگ ہیں جنہیں اپنے حج کی اتنی فکر ہے۔

اس خادم کو جب پہلی بار ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کا شرف نصیب ہوا تو تمام مناسک حج حضرت شیخ کی معیت میں ادا کئے اور آپ نے ہر چیز تفصیل کے ساتھ اور خاص توجہ سے بیان فرمائی اور مستحبات اور عام آداب تک کی پابندی فرمائی کہ آپ کا یہ پہلا حج ہے' اس لئے کوئی چیز چھوٹنے نہ پائے۔ اور اتنی شفقت فرماتے کہ بعض

لوگ پوچھتے یہ آپ کے صاحبزادے ہیں؟۔آپ فرماتے، جی: میرے روحانی بیٹے ہیں۔

بعض چیزیں جو حج کی روح کے منافی ہیں یا ایسے مظاہر جو پسندیدہ نہیں ہوتے، ان پر نکیر فرماتے اور ناراضی کا اظہار فرماتے۔ بعض اوقات ذمہ دار حضرات کی توجہ بھی مبذول کراتے۔ نماز کی حالت میں عورتوں کو مردوں کے درمیان کھڑے دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی۔ بعض پاکستانی عورتیں جو یہاں تو پردہ کرتی ہیں اور حج کے دوران خالی دوپٹہ اوڑھے طواف وغیرہ کرتی ہیں، انہیں دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا اور فرماتے: ان کو دیکھو کہ اتنی اہم عبادت کے لئے آتی ہیں اور بے پردہ ہوکر الٹا معصیت کا ارتکاب کرتی ہیں' جبکہ بعض دوسرے ملکوں کی عورتیں جو اپنے وطن میں بے پردہ ہوتی ہیں' حج میں باپردہ ہوکر آتی ہیں۔

اور فرماتے کہ: عورتوں کو چاہئے کہ ایسے وقت حرم میں آئیں جو نماز کے اوقات نہ ہوں اور اژدہام کم ہو اور طواف وغیرہ عبادت کریں اور نمازیں اپنی جائے قیام پر ادا کریں' وہاں ان کو زیادہ ثواب ملے گا۔اس سے ان کو بھی تکلیف نہیں ہوگی اور اژدہام میں بھی کمی واقع ہوگی۔

منیٰ میں رمی جمار (کنکریاں مارنے) کے بارے میں بعض حضرات اژدہام کا عذر بناکر نیابت کرنے کے جواز کا فتویٰ دے دیتے تھے' خصوصاً بوڑھوں اور عورتوں کے حق میں۔اس پر بھی آپ کو دکھ ہوتا اور فرماتے: یہ عذر صحیح نہیں ہے' کیونکہ شارع نے اسی اژدہام کی بناء پر عورتوں اور بوڑھوں کے لئے رات کے وقت رمی جمار کو بلاکراہت جائز قرار دیا ہے۔ یہ لوگ اس رخصت پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ چنانچہ بارہا دیکھا کہ آپ کے ساتھ اگر مستورات ہوتیں تو مغرب یا عشاء کے بعد ان کو لے جاتے اور نہایت اطمینان سے جمرات کے قریب کھڑے ہوکر وہ کنکریاں مارتیں اور کسی قسم کی دقت نہ ہوتی اور خود رمی کے لئے عصر کے بعد تشریف لے جاتے' اس وقت زیادہ رش ختم ہو چکا ہوتا۔

بعض حجاج کرام کو بازاروں میں ہر وقت خریداری کے پیچھے پڑے دیکھ کر صدمہ ہوتا اور فرماتے کہ: یہ حضرات خریداری میں منہمک ہوکر مقصد سے کتنے دور ہو رہے ہیں اور خود اپنی حالت تو آخر میں یہ ہوگئی تھی کہ فرماتے: اب تو میں نے تسبیح، مسواک اور کھجور خریدنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

اور فرماتے کہ: اب حج میں اتنا اژدہام بڑھ جاتا ہے کہ صحیح طور پر حج ادا نہیں ہوسکتا، اس لئے جو شخص فرض حج ادا کر چکا ہو' اسے چاہیے کہ دوبارہ نفل حج کے بجائے رمضان المبارک یا سال کے کسی اور مہینے میں عمرہ کرے اور اطمینان سے عبادت کرے۔ اسی بناء پر آپ نے وفات سے پہلے والا آخری حج نہیں کیا اور رمضان شریف میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔

کئی سال پہلے کا واقعہ ہے' مرحوم شاہ فیصل شہید کا ابتدائی دور تھا' حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب منیٰ

میں رمی جمرات کے لئے پہلے جمرہ کے پاس پہنچے تو وہاں وزارت اعلام کی عمارت سے لاؤڈ اسپیکر پر گانا نشر ہو رہا ہے، اسی رات مرحوم شاہ فیصل شہید سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان ایام کے بارے میں حکم دیا ہے کہ ان میں اللہ کو خوب یاد کرو اور ہم ادھر رمی کر رہے ہوتے ہیں اور آپ کا ریڈیو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ گانا نشر کرتا رہتا ہے۔ مرحوم نے فرمایا کہ: آئندہ آپ نہیں سنیں گے، چنانچہ مرحوم نے اسی روز سے بند کرادیا اور اس کے بعد پھر کبھی لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے نہیں دیکھے۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جب تک گھٹنے میں درد نہیں تھا، عام طور پر مغرب، عشاء اور صبح کی نماز صف اول میں حطیم کعبہ کے سامنے ادا کرتے، کثرت سے طواف فرماتے اور جب طواف سے فارغ ہوتے تو حرم میں بیت اللہ شریف کے سامنے بیٹھ جاتے، ذکر اللہ میں مشغول رہتے اور بیت اللہ کو دیکھتے رہتے۔

آخری سالوں میں جب گھٹنوں کا درد بڑھ گیا تھا تو بعض نمازیں اپنی جائے قیام پر ہی باجماعت ادا فرمالیتے تھے۔ ایک روز گریہ کی کیفیت تھی اور فرمانے لگے: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ جب میں صحت میں تھا تو میلوں سے بھی چل کر حرم کی نماز میں شریک ہوتا اور مجھ سے کوئی جماعت نہیں چھوٹتی تھی، لیکن اب میں معذور ہوگیا ہوں۔

مدینہ منورہ میں تو عجیب ہی کیفیت ہوتی، مسجد نبوی میں بہت زیادہ ادب کا خیال فرماتے، عموماً معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے وقت سے پہلے ہی حرم میں تشریف لے جاتے اور خاص کر عصر سے عشاء کا وقت تو حرم میں ہی گذارتے، مواجہ شریف میں سلام عرض کر کے سامنے ہی بائیں جانب صف اول میں بیٹھ جاتے اور یہ سارا وقت عبادت، تلاوت، ذکر اور درود شریف میں گذرتا اور کسی سے بات کرنا پسند نہ فرماتے۔

جب آپ نے پہلی بار روضۂ اقدس پر حاضری دی تو اپنے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مدح میں ایک ۴۷ ابیات کا طویل اور جامع قصیدہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں بنا کر ساتھ لے گئے اور روضۂ اقدس پر اسے پڑھا اور اس کے بعد جب مصر تشریف لے گئے تو مصر کے اسلامی مجلّہ ''الاسلام'' ۲۸ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس قصیدہ کا عنوان تھا:

''شذرات الادب فی مدح سید العجم والعرب''

اور مدیر مجلّہ نے اس پر یہ عبارت لکھی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے: یہ قصیدہ شیخ محمد یوسف بنوری کا ہے، جنہوں نے اسے ہندوستان میں لکھا اور حجاز مقدس میں مسجد نبوی کے اندر روضۂ اقدس پر اسے پڑھا۔ ماسواء ابتدائی چند اشعار کے جنہیں حیاء کی بنا پر چھوڑ دیا اور آج ہی مجلّہ ''الاسلام'' میں جبکہ مسلمان شب معراج منا رہے ہیں، اسے شکریہ کے ساتھ نشر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

مدینہ منورہ کے آثار کا وسیع علم رکھتے تھے۔ فرمایا کہ: جب میں پہلی بار حاضر ہوا تو مدینہ منورہ میں ایک ایسے بزرگ سے ''مکتبہ عارف حکمت'' میں ملاقات ہوگئی جو آثار مدینہ کے بہت بڑے عالم تھے' وہ دوست بن گئے اور مجھے یہ پیشکش فرمائی کہ میں آپ کو مدینہ منورہ کے آثار دکھلاؤں گا' چنانچہ میں نے ایک خچر گاڑی والے سے معاملہ طے کرلیا جو ہمیں صبح ناشتہ کے بعد لے جاتا اور ظہر کے قریب واپس حرم پہنچا دیتا۔ اس وقت گاڑیاں اور ٹیکسیاں نہیں تھیں۔ جس جانب ہمارا جانا ہوتا، وہاں بیٹھ جاتے اور کتاب ''وفاء الوفاء'' کھول کر پڑھتے اور اس کے مطابق وہ شیخ آثار بتلاتے۔ خاص کر غزوۂ احد، غزوۂ خندق، قباء وغیرہ کے آثار، ساتھ میں ان شیخ کا خادم بھی ہوتا جو چائے وغیرہ کا انتظام کرتا۔

دسیوں سال سے تو یہ معمول تھا کہ رمضان المبارک میں پہلے عمرہ ادا فرماتے اور پھر عشرہ اخیرہ میں مسجد نبوی ﷺ میں اعتکاف فرماتے اور عید کے بعد واپس تشریف لاتے۔ حرمین شریفین کے سفر سے پہلے رمضان شریف کی پہلی دس راتوں میں تراویح میں پورا قرآن کریم سن لیتے اور پھر سفر فرماتے۔

حرمین شریفین کے ساتھ قلبی وروحانی تعلق کے علاوہ وہاں کے علماء اور مشائخ سے علمی واکتسابی تعلق بھی تھا۔ آپ جب پہلی بار حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت شاہ عبدالغنی مجددی محدث کی صاحبزادی شیخہ اُمۃ اللہ زندہ تھیں' ان سے آپ نے حدیث کی اجازت لی۔

وہاں کے بہت سے علماء ومشائخ نے بھی آپ سے حدیث کی اجازت لی' جن میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں: شیخ سلیمان بن عبدالرحمٰن صدر مکہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر مکہ مکرمہ۔ شیخ محدث حسن مشاط مکہ مکرمہ۔ عالم صالح شیخ ابراہیم ختنی مدینہ منورہ۔ شیخ عبدالعزیز عیون السعود حمص سوریا، شیخ علی محمد مراد حما سوریا، عالم جلیل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلب سوریا وغیرہ۔

مدینہ منورہ جب آپ تشریف لے جاتے تو بخاری حضرات علماء اور غیر علماء سب آپ کے اردگرد پروانوں کی طرح جمع ہوجاتے اور ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی کہ آپ ان کی دعوت کو قبول فرمالیں۔

جامعہ کے اساتذہ اور شیخ عبدالعزیز بن باز آپ کا بہت احترام فرماتے اور آپ کے کارناموں کی قدر کرتے اور جب بھی ملاقات ہوتی دعوت کیے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔

اسی طرح مکہ مکرمہ کے علماء کرام سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ رابطہ کے امین عام مرحوم شیخ سرور صبان ہوں یا شیخ صالح قزاز یا موجودہ امین عام شیخ محمد علی حرکان، سب ہی آپ کے دوست تھے' ایک دوسرے کی قدر کرتے اور نیک مشوروں سے نوازتے تھے۔ ان حضرات کے درمیان مختلف موضوعات پر خط وکتابت بھی ہوتی رہی' جس کی ایک مستقل فائل ہے جو طوالت سے بچنے کی غرض سے چھوڑ رہا ہوں۔

''رسالۃ المسجد'' کے نام سے مکہ مکرمہ میں جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں آپ نے شرکت فرمائی اور اس موضوع پر ایک نہایت عمدہ علمی مقالہ پیش فرمایا۔

دو سال ریاض یونیورسٹی کی طرف سے فقہ اسلامی پر ایک عالمی مؤتمر منعقد کی گئی' اس میں آپ کو بھی شرکت اور مقالہ کی دعوت دی گئی' لیکن سابقہ حکومت کی طرف سے رکاوٹ کی بناء پر اس میں شرکت نہ کر سکے۔

مرحوم شاہ فیصل شہید سے بہت محبت فرماتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ بعض اہم دینی امور کے سلسلہ میں ان سے کئی ملاقاتیں کیں' ان کی وفات کی خبر سے بے حد غمگین ہوئے اور اردو اور عربی دونوں زبانوں میں تعزیت نامے لکھے اور مرحوم شہید کی شخصیت اور عظیم الشان کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا۔ شاہ خالد اور رابطہ کے امین عام کو تعزیت کے تار دیئے۔

حرمین شریفین کے اخبار وقتاً فوقتاً آپ کے قیمتی انٹرویو نشر کرتے رہے اور آپ کو خراج تحسین پیش کرتے رہے۔ بطور مثال وہاں کے مشہور روزنامہ ''الندوۃ'' ۵ محرم ۱۳۸۷ھ نے صفحہ ۳ پر نہایت مفصل انٹرویو شائع کیا۔ جس کی موٹی موٹی سرخیاں یہ تھیں:

''التضا من روح الاسلام، الرابطة الاسلامیه ودورها فی الدعوة. القادیانیة حرب علی المسلمین، لاتضا من اسمی وأرفع من التضا من الاسلامی''.

اور اسی ''الندوۃ'' نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں شائع کیا:

''أدی فریضة الحج هذا العام الشیخ محمد یوسف البنوری مدیر المدرسه العربیه الاسلامیه بکراتشی. وهوأحد کبار علماء المسلمین فی باکستان، جاهد بقلمه وبعلمه فی سبیل الدفاع عن حیاض الدین وخدمة الاسلام واللغة العربیة.

وتعتبر المدرسة التی یدیرها من أقدم جامعات باکستان، ساهمت فی نشر الاسلام وتعالیمه و تخریج رجالاته فی مجالات العلم والفقه والقضاء''.

مصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: مصر سے میرا تعلق چالیس سال سے ہے۔ آپ کا مصر کا سفر ۱۹۳۷ء میں ہوا' جب مصر میں شاہ فاروق کی حکومت تھی اور ''مجلس علمی'' ڈابھیل نے

(متحدہ ہندوستان) جس کے آپ رکن بھی تھے، آپ کواور مولانا سید احمد رضا بجنوری کوایک اہم علمی کام کے لئے مصر بھیجا اور وہ حدیث کی دو اہم اور مشہور کتابوں کی طباعت تھی۔ایک ’’فیض الباری شرح صحیح بخاری ‘‘امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی تقریر بخاری اور دوسری ’’نصب الرایة فی تخریج احادیث الهداية‘‘ علامہ زیلعی کی اور کچھ اور رسائل تھے۔

طباعت کے سلسلے میں یہ آپ کا پہلا تجربہ تھا، لیکن قدرت نے آپ کو ہر فن میں بہت اونچا ذوق عطا فرمایا تھا، چنانچہ مصر پہنچنے کے بعد آپ نے مختلف مطابع سے رابطہ قائم کیا اور مذکورہ بالا کتابوں کے لئے ان کا سائز، کاغذ اور حروف کا تعین فرمایا اور کئی روز کی جدوجہد کے بعد ایک ایسا مطبع ان کو مل گیا جو ان کی شرائط اور ذوق کے مطابق کام کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

طباعت سے پہلے کتاب ’’نصب الراية‘‘ کی تصحیح کے سلسلہ میں آپ نے بہت محنت فرمائی، چونکہ یہ سفر حج سے شروع ہوا تھا، اس لئے حج کے بعد حرمین شریفین میں مختلف دو کتب خانوں میں ’’نصب الرايه‘‘ کے قلمی نسخوں سے اپنے نسخے کا مقابلہ فرمایا اور جب مصر پہنچے تو ’’دار الكتب المصرية‘‘ میں دو نسخوں سے ان کا مقابلہ کیا، جس کی تفصیل نصب الرایۃ کے مقدمہ میں نصب الراية والعناية بحاشية والعناء فی تصحيحه و طبعه کے عنوان سے پیش کی ہے۔

بہرحال چند ماہ میں یہ دونوں کتابیں چار چار ضخیم جلدوں میں بڑی آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آگئیں، اسی کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

’’وفقنا إلى خدمة خطيرة فى مدة قصيرة، قلما يوفق اليها أحد فى مثل هذه الفرص الضيقة، وكان غرضنا تقديم الكتاب إلى العلماء وطلبة العلم بأحسن أسلوب وابدع منهاج، وقدحصل، ولله الحمد، ولا علينا لونتمثل بقول أبى الطيب:

وما انا بالباغى على الحب رشوة ضعيف هوى يبغى عليه ثواب [1]

آپ نے فیض الباری پر ایک نہایت علمی اور قیمتی مقدمہ لکھا، جس میں عرب ممالک کے بعد ہندوستان میں علم حدیث کی نشر واشاعت پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ نیز امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا مختصر ترجمہ اور بخاری شریف کے درس میں آپ کی خصوصیات اور حدیث کی شرح میں آپ کے مخصوص طرز بیان کو واضح فرمایا۔

(۱)......مقدمہ نصب الرایۃ ص ۶۴

اسی طرح آپ نے ''نصب الرایة'' پر بھی ایک اونچا علمی مقدمہ لکھا' جس میں آپ نے ابتداء میں ''مجلس علمی'' اور اس کے علمی کارناموں کا تعارف کرایا اور اس وقت تک مجلس نے جتنی علمی کتابیں شائع کی تھیں ان سب کا مختصر تعارف اور فہرست پیش فرمائی۔ پھر صاحب ''نصب الرایہ'' امام حافظ جمال الدین زیلعی حنفی کا ترجمہ اور کتاب کی خصوصیات کا ذکر فرمایا' اس کے بعد صاحب ''ہدایہ'' علامہ مرغینانی کا ترجمہ پیش فرما کر ہدایہ اور اس کی مختلف شروح جو فقہی اور حدیثی اعتبار سے لکھی گئی ہیں' ان کا ذکر فرمایا۔

نیز آپ نے نصب الرایہ کے شروع میں محقق عصر علامہ شیخ محمد زاہد کوثری کے علمی مقدمہ کا اضافہ کرا کے علماء کے لئے فقہ عراقی کی تاریخ، کوفہ کا علمی مقام، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصول اور فقہاء کی تربیت کا طریقہ، آپ کے شاگردوں میں کبار محدثین اور حفاظ جیسے علمی موضوعات کا اضافہ فرمایا۔

آپ جب پہلی بار مصر تشریف لے گئے' اس وقت قاہرہ میں چند بزرگ اور علمی شخصیات موجود تھیں' جن سے آپ کی ملاقات ہوئی اور ان سے آپ نے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ ان علماء میں یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں' علامہ محقق شیخ محمد زاہد کوثری، علامہ شیخ خلیل خالدی مقدسی، محدث کبیر شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی مضربی استاد کبیر شیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی جکنی شنقیطی۔

ان سب بزرگوں میں آپ شیخ محمد زاہد کوثری سے بہت متاثر تھے اور مصر کے قیام کے دوران ان سے کافی استفادہ فرمایا ہے۔ شیخ موصوف بھی آپ کے علم و فضل کے معترف اور آپ سے بہت متاثر تھے' چنانچہ اپنے خطوط میں آپ کو اس قسم کے الفاظ سے یاد فرماتے تھے:

''فضيلة الأستاذ الامجد المحقق الأوحد السيد محمد يوسف البنوري..... إلى حضرة الاستاذ الجليل مولانا السيد محمد يوسف البنوري... إلى حضرة صاحب الفضل والفضيلة المتحلى بالأخلاق الجميلة العلامة المحقق مولانا السيد محمد يوسف البنوري.....

إلى حضرة أخينا في الله مولانا العلامة النحرير الأستاذ الكبير السيد محمد يوسف البنوري.....

إلى مولانا العلامة قرة عيون العلماء المحقق السيد محمد يوسف البنوري... إلى حضرة شقيق الروح المختص بالفتوح العلامة الغيور الجهبذ المحقق السيد محمد يوسف البنوري.....

إلى مولانا الأستاذ الجليل العلامة المحقق السيد يوسف البنوري.....

إلى حضرة شقيق الروح صاحب المواهب والفتوح أخينا في الله

الداعی إلی اللّٰہ العلامة الأوحد والمحدث المفرد السید محمد یوسف البنوری......

إلی حضرة صاحب الفضیلة نابغة العصر المحقق النظار سلیل المجد مولانا السید محمد یوسف البنوری......

علامہ شیخ کوثری اور حضرت شیخ کے بارے میں مفصل حالات مفتی ولی حسنؒ کے مضمون میں دیکھئے۔

عربی ادب تو آپ کا طبعی ذوق بن چکا تھا اور علم آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا' اس لئے مصر جاتے ہی آپ نے وہاں کے علمی اور ادبی مجلّات کا مطالعہ کیا اور فوراً اس وقت کے مشہور ادباءِ اصحاب قلم کا اسلوب اپنالیا اور آپ نے اس وقت کے مشہور ادیب اور صاحب قلم احمد امین کے طرز پر علمی مقالات لکھنے شروع کردیئے۔

اسی دوران (۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء) جب قاہرہ میں فلسطین کے بارے میں علماء اسلام کی کانفرنس بلائی گئی تو متحدہ ہندوستان سے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے بطور نمائندہ شرکت فرمائی۔ اس دوران وہ بیمار ہوگئے' چنانچہ ان کی جانب سے جتنے مقالات عربی میں مؤتمر میں پڑھ کر سنائے گئے یا بیانات اخبارات اور مجلّات میں شائع ہوئے' آپ ہی کے قلم سے لکھے گئے اور آپ ہی نے پڑھ کر سنائے۔

قاہرہ کے اس سفر میں آپ نے جو ایک اہم علمی کارنامہ انجام دیا' وہ اپنے اکابر اور دار العلوم دیوبند کا علمی تعارف تھا۔ آپ نے مختلف عنوانات سے علمی مقالات لکھے جو وہاں کے علمی مجلّات میں شائع ہوئے' ان میں اہم مقالات کے عنوانات یہ ہیں:

''النهضة الدينية الحاضرة بالهند ودار العلوم الديوبندية هي أساسها''.

''دين وعلم وسياسة حقائق تجب على الأمة معرفتها''.

یہ مضمون قاہرہ کے ہفتہ وار علمی رسالے ''الاسلام'' ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا، اور آپ نے علوم دینیہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے کہ بلادِ عربیہ کس طرح اس علم کے گہوارہ تھے، پھر یہ علم ہندوستان میں کیسے آیا۔ دار العلوم دیوبند کی تاسیس کیسے ہوئی اور کن حضرات نے کی۔ دار العلوم نے کیسے علماء پیدا کئے اور دار العلوم کی وجہ سے کتنے بے شمار دوسرے اسلامی مدارس وجود میں آئے۔ مختلف دور میں دار العلوم کی علمی اور دینی قیادت کن کن شخصیات کے ہاتھ میں رہی۔ علماء دیوبند اور ان کے علمی کارنامے، سیاسی میدان میں انگریز استعمار کو ملک بدر کرنے کے سلسلہ میں ان حضرات کی مساعی جمیلہ وغیرہ۔ یہ ایک لمبا مضمون تھا جو الاسلام کے چار شماروں میں شائع ہوکر مکمل ہوا۔ اسی طرح آپ نے مصر کے عالم شیخ محمد حامد فقہی رئیس جماعت انصار السنّت کی فرمائش پر مضمون لکھا۔ جس کا عنوان تھا: ''دار العلوم بديوبند في الهند ومنهاج دراستها في

الحدیث"۔ یہ مضمون ان کے رسالہ "الهدی النبوی" میں شائع ہوا۔ اس میں آپ نے پہلے ان علوم کا ذکر فرمایا جو حدیث شریف پڑھنے سے پہلے پڑھائے جاتے ہیں اور پھر درس حدیث کا طریقہ اور علماء دیوبند کے اسلوب، خاص کر مثالوں کے ساتھ اس طرح واضح فرمایا کہ انصاف پسند انسان ان حضرات کے علمی فضل کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اپنے مضامین کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے یہ لکھا:

"وما سألتم عن كتاباتي المتعلقة بعلماء الهند في كتاب خاص فليس الأمر كذالك وانما كتبت مقالات في مجلات القاهرة وصحفها كمجلة "الاسلام" الأسبوعية، ومجلة "الرسالة" ومجلة "الهدى النبوى" وجريدة "الفتح" وصحيفة "البلاغ" وتلك المقالات تحدث عن النهضة الدينية وعن النهضة السياسية الحاضرة بالهند وان دارالعلوم الديوبندية هى أساسها ومكانتها فيها، وعن الأدب القديم فى الهند وعن الجامعة الاسلامية بدابيل وعن المجلس العلمى وما إلى ذلك"۔

قاہرہ کے علمی مجلات میں آپ کے مقالات شائع ہونے کے بعد مصر کے علماء آپ سے ملنے آتے اور علمی گفتگو ہوتی۔ آپ کے علم، آپ کے ادب اور شاعری سے سب ہی متاثر ہوتے۔ ایک مجلس میں "تفسیر الجواهر" کے مؤلف علامہ طنطاوی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ فرمایا: اتنا کیا ہے جس سے میں آپ کی تفسیر کے بارے میں رائے قائم کرسکتا ہوں، پہلے آپ نے تفسیر کی خوبیاں بیان کیں اور پھر اس کے نقائص کی طرف اشارہ فرمایا۔ علامہ طنطاوی نے سننے کے بعد چیخ کر کہا:

"یااستاذ، واللّٰہ ماأنت بعالم هندی وانما أنت ملك نزلت من السماء لاصلاحی"

مصر میں آپ نے اپنا علمی مقصد پورا ہونے کے بعد ترکی کا سفر فرمایا اور وہاں چھ ماہ قیام فرمایا، اور وہاں علمی کتب خانوں کی زیارت کی اور ان کی فہرستیں مطالعہ کیں اور ان سے اپنی یادداشتیں تیار کیں۔

مجمع البحوث الاسلامیہ الازہر کی مؤتمرات میں شرکت

مصر میں بادشاہت ختم ہوئی اور فوجی انقلاب آیا، ازہر کے شعبہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے طرف سے قاہرہ میں علماء اسلام کا مؤتمر بلایا گیا۔ اس مؤتمر میں پاکستان کے دونوں حصوں کے علماء شریک ہوئے۔ ان علماء کے وفد کی قیادت حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کررہے تھے۔ یہ پہلا مؤتمر ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں منعقد

ہوا۔ آپ کو مجمع البحوث اسلامیہ کا مستقبل ممبر چن لیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے مختلف چھ مؤتمرات میں شرکت فرمائی اور علماء کے وفد کی قیادت فرمائی۔ ان مؤتمرات میں آپ نے نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں مختلف علمی موضوعات پر مقالے پڑھے، جن سے عالم اسلام سے آئے ہوئے علماء متاثر ہوئے اور انہوں نے داد دی۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب ؒ مہتمم دار العلوم دیوبند نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان فرمائے:

''اس موضوع پر اجتہاد کا مسئلہ اٹھاتے ہوئے بطور تحریک الاستاذ علی عبدالرحمٰن ازہری وزیر سوڈان نے ایک پر مغز اور طویل مقالے سے اس کی ابتداء کی اور اس کے بعد اجتہاد و تقلید اور تلفیق سے متعلق مقالے اور مناقشات سامنے آنے شروع ہو گئے اور انہوں نے اتنا وقت لیا کہ کانفرنس کا زیادہ وقت اسی مسئلہ میں لگ گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا کانفرنس کا بنیادی موضوع یہی ایک مسئلہ ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری فاضل دار العلوم رئیس وفد پاکستان کا جوابی مقالہ اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل ذکر ہے جو نہایت پر مغز اور محققانہ تھا (۱)''۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اتنی مقبول ہو چکی تھی کہ ازہر اور مصر کے علماء ہر مؤتمر کے موقع پر آپ کا انتظار کرتے۔ شیخ الازہر ہوں یا مجمع البحوث الاسلامیہ کے جنرل سیکریٹری سب آپ کے دوست بن چکے تھے۔

ایک موقع پر جب آپ ''المجلس الا علی للشئون الاسلامیة'' کی دعوت پر قاہرہ تشریف لے گئے، خادم بھی ساتھ تھا۔ ازہر کے ''مجمع البحوث الاسلامیه'' کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر عبدالرحمٰن بیصار سے ملاقات ہوئی، مجمع البحوث کی چھٹی کانفرنس ایک ماہ بعد ہونے والی تھی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اب تو آپ مجھے چھٹی دے دیں اور آئندہ مجھے نہ بلایا کریں تو ڈاکٹر بیصار صاحب نے کہا: مثلکم لایستغنی عنه۔ یعنی آپ جیسی شخصیت سے ہم مستغنی نہیں ہو سکتے۔

مرحوم ڈاکٹر حب اللہ اور مرحوم شیخ محمد ابوزہرہ جیسے حضرات آپ سے ملنے آتے اور دیر تک علمی مجلسیں ہوتیں۔ ایک دفعہ میں نے مرحوم شیخ ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی تو آپ کے علم و اخلاق کے بارے میں بہت ہی نیک جذبات کا اظہار فرمایا۔ حضرت مولانا کی اتنی قدر تھی کہ جب میں ان کے مکان میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: آپ میرے ڈاکٹریٹ کے رسالہ (مضمون) کا اشراف اور نگرانی قبول فرمائیں اور انہیں معلوم ہوا کہ میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خادم اور تلمیذ ہوں تو فوراً اشراف قبول فرمالیا۔

---

(۱)...... ماہنامہ ''دار العلوم''، جون ۱۹۶۴ء صفحہ ۴-۵

جامعہ ازہر کے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود تو آپ کے گہرے دوست اور مداح تھے، جب آپ ان سے ملنے جاتے اپنی جگہ چھوڑ کو مولانا کے پاس آ کر بیٹھ جاتے اور دیر تک مجلس جاری رہتی۔ افریقہ کے سفر کے بعد آپ قاہرہ پہنچے تو شیخ الازہر نے آپ کے اعزاز میں پرتکلف دعوت دی، جس میں ازہر کے بڑے مشائخ، سفیر پاکستان، سفیر مصر اور اوقاف کے جنرل سیکریٹری کو دعوت دی، جس کی تفصیل افریقہ کے سفر کے ضمن میں لکھ چکا ہوں۔ شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کے دل میں مولانا کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اظہار انہوں نے اپنے اس خطاب میں کیا ہے جو انہوں نے پاکستان کے دورہ کے موقع پر ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' کے اساتذہ اور طلبہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

''ایها الاخوة المؤمنون، انی سعید بأن اتحدث الیکم مباشرة دون مترجم، سعید بأن أجد هذا الجمع الکبیر فی هذا البلد الکریم أن اجد هذا الجمع کله یستطیع ان یفهمنی وانا اتحدث الیهم باللغة العربیة دون ان یحتاج الی مترجم بینی وبینهم، وسعید بان التقی بالاخ الفاضل الکریم الشیخ محمد یوسف البنوری، هذا الرجل المجاهد الذی یاتینا إلی مصر فنستقبله باعتباره عالما من کبار العلماء وقمة من القمم الاسلامیة الکبری، نستقبله کمحدث وقد قل المحدثون فی هذا العصر، ونستقبله کعالم لایقول عن ظن، ولا یتحدث عن تخمین، وانما یتحدث عن درایة ویتحدث عن علم ویتحدث عن دلیل ویتحدث عن مزاولة مستمرة للعلوم الدینیة، ولعلکم أعلم ان فضیلة الاستاذ شاعر ایضا، هو محدث وهو مفسر وهو أیضا شاعر ولم تکن دعوته بالعلم فحسب، وانما کانت دعوته ایضا بخلقه هذا الکریم الذی یتجلی فیه. شکر الله له عالما، وشکر الله له محدثا وشکر الله له داعیا إلی الله سبحانه وتعالی''.

ترجمہ:... برادرانِ ایمان! میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ حضرت سے ترجمان کے بغیر بلاواسطہ مخاطب ہوں، میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس شہر میں ایک عظیم اجتماع سے مخاطب ہوں جو میری زبان سمجھتا ہے، اور میں کسی ترجمان کی منت کشی کے بغیر ان سے عربی میں خطاب کر رہا ہوں، یہ میری سعادت ہے کہ مجھے برادر فاضل کریم شیخ محمد یوسف بنوری سے ملاقات کا موقع ملا۔ یہ مردِ مجاہد جب مصر آتا ہے تو کبار علماء کے ایک فرد اور ملت اسلامیہ کے ایک بڑے ستون کی حیثیت سے ہم ان کا استقبال کرتے ہیں، ہم ایک محدث کے شایانِ شان

ان کا استقبال کرتے ہیں، جبکہ اس دور میں محدث کم رہ گئے ہیں۔ ہم ان کا استقبال ایک ایسے عالم کی طرح کرتے ہیں جو ظن وتخمین سے گفتگو نہیں کرتا، بلکہ بحث وتفتیش کے بعد بات کرتا ہے۔ علم وتحقیق سے بات کہتا ہے، جو کچھ کہتا ہے دلیل سے کہتا ہے اور دینی علوم میں مسلسل مشغولیت اور تجربہ سے بات کہتا ہے۔

شاید آپ حضرات کو علم ہوگا کہ حضرت موصوف کو شعر وسخن کا ذوق بھی ہے۔ وہ محدث بھی ہیں، مفسر بھی اور شاعر بھی۔ ان کی دعوت صرف علم سے نہیں، بلکہ ان اخلاق کریمہ سے بھی ہے جو آپ کی شخصیت میں جلوہ گر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ان کی ایک عالم، ایک محدث اور ایک داعی الی اللہ کے شایان شان قدر افزائی کرے۔''

علماء ازہر کی نگاہوں میں آپ کی اس قدر ومنزلت کا نتیجہ ہے کہ ہمیشہ سے ازہر کی طرف سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے لئے کم از کم ایک قاری اور ایک عالم اور کبھی ان سے بھی زائد بھیجے جاتے ہیں اور آج بھی یہ حضرات موجود ہیں اور تعلیم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مصر کے ساتھ ہمیشہ سے آپ کا علمی تعلق رہا اور علمی تعاون کا سلسلہ بھی جاری رہا، لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کی کمزوریوں کو چھپایا اور نہ ان کی خوبیوں کے بیان میں بخل سے کام لیا۔ آپ نے جمال عبدالناصر کی قومیت اور اشتراکیت وغیرہ پر تنقید بھی فرمائی اور خوبیوں کو بھی بیان فرمایا، جس کی طرف کچھ اشارہ فلسطین کے بیان میں آئے گا۔

لیبیا

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لیبیا کا پہلا سفر صفر ۱۳۸۷ھ میں مطابق مئی ۱۹۶۷ء میں فرمایا۔ اس وقت لیبیا میں ملک ادریس کی بادشاہت تھی۔ آپ نے طرابلس، بنغازی، بیضاء، درنہ وغیرہ شہروں کا دورہ فرمایا۔ وہاں کی جامعات اور علمی اداروں کو دیکھا، اہل علم سے ملاقاتیں فرمائیں، آپ کے بیانات ہوئے، آپ نے ان کے ساتھ دینی موضوعات پر تبادلۂ خیالات فرمایا اور مفید مشورے دیئے۔

واپسی پر اردن اور کویت ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ اس کی خبر آپ نے اپنے ایک خط میں یوں دی:
''الحمدللہ! کہ اس دینی سفر سے بخیر وعافیت ۳۰ مئی ۱۹۶۷ء کو واپس پہنچا۔ یہ سفر لیبیا، اردن اور کویت کے ممالک کو شامل تھا۔''

آپ نے اپنے اس سفر کے تاثرات نہایت تفصیل کے ساتھ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ کے ''بینات'' کے بصائر وعبر میں پیش فرمائے جو اول تا آخر پڑھنے کے قابل ہیں۔ یہاں اس کا نہایت ہی مختصر خلاصہ ذکر کرتا ہوں:
آپ نے سفر کی غرض وغایت ذکر کرنے کے بعد لیبیا کی تاریخ، جغرافیہ اور وہاں کے بعض قدرتی مناظر

کا مختصر سا نقشہ کھینچا ہے‘ اس کے بعد اس وقت کے بعض اہم اجتماعی امراض کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا:

’’ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا کہ عرب قوم دو شدید قسم کے امراض میں مبتلا ہے جو تمام بیماریوں کے لئے ام الامراض کا درجہ رکھتے ہیں۔ ا:...عرب قومیت پرستی ۲:...مغربی تہذیب وتمدن کا تسلط۔ یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے‘ لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا مشترک روگ ہے جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا ہے۔‘‘

اس کے بعد قوم پرستی پر تبصرہ ان الفاظ میں فرمایا:

’’قومیت‘‘ عربی ہو یا عجمی، مشرقی ہو یا مغربی‘ دین اسلام کی نظر میں وہ بہرحال ایک لعنت ہے‘ وہ ایک بت ہے‘ جس کی پرستش کو اسلام شعارِ جاہلیت قرار دیتا ہے۔ قومیت اور اس کی بنیاد پر ابھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔ یاللاسف! آج قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولیت حامل تھی‘ اس لعنت کا بری طرح شکار ہے‘ قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے‘‘۔

پھر اس مرض کو پھیلانے والے اور اس کے اصل سبب کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا:

’’افسوس ہے کہ اسلام نے جس لعنت کو مٹایا تھا‘ برطانوی طاغوت نے مسلسل تدابیر سے اس لعنت کو دوبارہ جنم دیا ﴿ولقد صدق علیهم ابلیس ظنه﴾ انہی ملعون تدابیر سے اس نے پہلے تو خلافت اسلامیہ کو ختم کرانے کے لئے عرب وترک دشمنی کا بیج بویا اور بھائی بھائی کو دشمن بنادیا اور جب اس میں کامیابی ہوئی تو وطنیت کا زہر پھیلایا......‘‘

پھر اس مرض کے علاج کی طرف اشارہ ان الفاظ میں فرمایا:

’’کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تمام عالم اسلام کلمہ ایمان، خدا اور رسول اور اسلامی اخوت کے نام پر متحد ہو کر بنیاد مرصوص بن جائے؟ اور دشمنان اسلام نے غلط فہمیاں پھیلا کر اختلاف وتفرق کے جس غار میں ہمیں دھکیل دیا ہے‘ اس سے باہر آنے کی تدبیر کریں؟‘‘

پھر اسرائیل اور اس کے قیام کا پس منظر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’یہ درست ہے کہ اسرائیل سانپ کو قلب اسلام میں ڈسنے کے لئے امریکہ وبرطانیہ نے مل کر جنم دیا ہے‘ وہی اس کی پرورش کرتے رہے ہیں اور آج بھی اس کی پشت پر یہ طاقتیں موجود ہیں‘ لیکن آخر ان طاقتوں کو ہمارے اختلاف اور تفرق ہی سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا‘ اس

اختلاف وتفرق کی ایک مکروہ صورت حال اس سفر میں خود ان آنکھوں نے دیکھی۔ طرابلس (لیبیا) کے اندر میلوں کے رقبہ پر پھیلا ہوا عظیم امریکی اڈہ (۱) اور امریکی بیڑہ موجود ہے، ہمارے دریافت کرنے پر اس کی مصلحت یہ بتلائی گئی کہ مصری حکومت کے خطرے کے پیش نظر طرابلس کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی گئی ہے۔ سبحان اللہ! ڈاکوؤں، رہزنوں اور قزاقوں کو پاسبانی کا شرف بخشا جاتا ہے اور انہی کو محافظ و چوکیدار بنایا ہے، شدید ترین دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھی جاتی ہے، سادہ لوحی اور خوش فہمی کی بھی انتہاء ہوگئی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج انہی ہوائی اڈوں سے اسرائیل کی امداد ہورہی ہے۔''

اسی طرح عربوں کی حالت کو بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ ''دعاۃ الی اللہ'' کی جماعتیں دعوت دین کو مستقل مقصد بنا کر ہر ایک ملک میں مقیم ہوں اور پوری قوت اور توجہ سے اصلاح کا کام شروع کیا جائے۔ ابھی تک دلوں میں نورِ ایمان کی دبی دبائی چنگاریاں موجود ہیں.....''

ان دنوں شاہ حسین اور صدر ناصر کے ملنے کی خبریں اخبارات میں آئیں، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور لکھا:

''آج کل اخبارات میں عرب راہنماؤں کے اتحاد و تعاون کی جو خبریں آرہی ہیں، وہ عالم اسلام کے لئے نوید مسرت ہے۔ اردن کے شاہ حسین کا قاہرہ آکر صدر ناصر سے مدت سے بچھڑے ہوئے دو بھائیوں کی طرح گلے ملنا اور ان دونوں ملکوں کے سربراہوں کا مشترک دفاعی معاہدہ کی تجویز پر متفق ہونا قابل تقلید مثال بھی ہے اور موجودہ تاریخ کا زرین باب بھی۔ اسی طرح صدر ناصر کا یمن سے مصری افواج کو واپس بلا لینا بلاشبہ قابل تحسین ہے۔ کاش تمام ممالک اسلامیہ میں ایمانی گہرائیوں سے یہ اتحاد عمل میں آجائے، محض نمائشی، سیاسی اور وقتی نہ رہے:

''اللھم الف بین قلوب المؤمنین و اصلح ذات بینھم''.

لیبیا کے اس سفر میں ''بیضاء'' کی اسلامی یونیورسٹی ''جامعۃ السید محمد بن علی السنوسی الاسلامیہ'' اور اس کے شیخ الجامعہ کے بارے میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان فرمائے:

''شیخ الجامعہ الشیخ عبدالحمید بن عطیہ الدیبانی بڑی جامع کمالات اور جاذب ترین شخصیت کے مالک ہیں۔ میں پورے اس سفر میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ شیخ الجامعہ ہی کی شخصیت تھی۔''

---

(۱).....فوجی انقلاب کے بعد جنرل قذافی نے سب امریکیوں کو یہاں سے نکال دیا ہے۔

لیبیا میں یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کے فوجی انقلاب کے بعد ''دعوت الاسلامیہ'' کے عنوان سے حکومت نے پہلی کانفرنس منعقد کی، جس میں عالم اسلام کے چوٹی کے علماء کرام کو دعوت دی گئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان، تیونس، سوریہ، عراق، لبنان، لیبیا، مصر، قطر، سعودیہ، مراکش، الجزائر، کویت، جرمنی، انگلینڈ، نمسا، امریکہ، جاپان، انڈونیشیا، فرانس، نائیجیریا اور یوگوسلاویہ کے نمائندوں نے شرکت کی۔

یہ کانفرنس لیبیا کے دارالحکومت ''طرابلس'' میں منعقد ہوئی اور ۱۳ شوال ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۱۸ شوال ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۷۰ء تک جاری رہی اور اس کانفرنس کا افتتاح خود جنرل قذافی نے کیا۔ اور کانفرنس کے بعد اجلاسوں میں آ کر عام ممبروں کے ساتھ بیٹھ جاتے اور بعض چیزوں کو اپنی نوٹ بک میں نوٹ کرتے رہتے تھے۔

اس کانفرنس کے اہم موضوعات تین تھے: ۱:... اسلام کی دعوت کو عام کرنے اور الحاد کو روکنے کے لئے مفید اور موثر وسائل۔

۲:... ان ممالک کی تحدید جہاں دعوت اسلامی کی ضرورت زیادہ ہے۔ ۳:... داعی اور مبلغ اسلام کے اوصاف اور اس کی تربیت کے طریقے۔

اس کانفرنس میں پاکستانی وفد کی قیادت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ آپ کانفرنس کے اجلاسوں میں شریک ہوئے اور ان موضوعات پر مفید مشورے دیئے۔

کانفرنس کے پہلے اجلاس میں یوگوسلاویہ کے نمائندے شیخ حسین جوزو نے ایک مقالہ پڑھا، جس کا عنوان تھا ''دعوت اسلامی کی راہ میں رکاوٹیں'' اس ضمن میں انہوں نے اجتہاد کے مسئلہ کو بھی چھیڑا۔ مقالہ ختم ہونے کے بعد صدر جلسہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ حضرت مولانا نے نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں صاحب مقالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''محترم شیخ حسین جوزو نے اجتہاد اور مجتہدین کے مسائل کو چھیڑا ہے، ہمارے اسلاف کے علمی کارنامے امت اسلامیہ کی عظیم الشان خدمت ہے، جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ ان حضرات نے مسائل کا استنباط کیا، دلائل کی تفریع کی، اصول وضع کئے اور مذاہب کی تدوین کی۔ اگر ان حضرات کی یہ محنت نہ ہوتی تو آج امت اسلامیہ جہالت کے اندھیروں میں سرگرداں ہوتی، لہذا مسلمانوں کے اس زریں دور کو اس انداز سے ذکر کرنا نہایت نامناسب ہے۔ مسائل حاضرہ میں اجتہاد اور ان کے حل کرنے پر کس نے پابندی لگائی ہے؟ اور کون اس کام سے روکتا ہے؟ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے:

''قال : سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم : يارسول الله، كيف

تأمرنا فی مسائل لم تمض فیها سنة، ولم یکن فیها کتاب؟ قال : شاوروا الفقهأ والعابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة رواه الطبرانی فی الأوسط والکبیر، ورجاله موثقون من أهل الصحیح".

ترجمہ:..."فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں ایسے مسائل کے بارے میں رہنمائی فرمائیں جن میں کوئی سنت وارد نہ ہوئی ہو اور نہ ان کا ذکر کتاب اللہ میں آیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو اور ان میں شخصی رائے پر عمل نہ کرو"۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو ہر زمانے میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے ایک منہج اور طریقہ بیان فرمادیا ہے لہٰذا قیامت تک پیدا ہونے والے نئے مسائل میں اجتہاد اور غور وفکر سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔

حضرت مولانا کے اس تبصرے سے لیبیا کے مندوب شیخ علی مصطفیٰ مصراتی نے کہا کہ: یہ کیا اچھا منظر ہے کہ بحث کی ابتداء یوگوسلاویہ سے ہوئی اور اس پر تبصرہ پاکستان کی جانب سے ہوا اور شیخ حسین جوزو اور شیخ محمد یوسف بنوری کی جانب سے یہ بابرکت افتتاح ہے۔

اسی کانفرنس کے ایک اجلاس میں مصر کے ایک مندوب ڈاکٹر احمد حوفی نے "نجاح الداعیة" کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ اس مقالہ میں انہوں نے بعض ایسے نکات چھیڑے جن پر بعض ممبروں نے تبصرہ کیا۔ نیز داعی اور مبلغ کے بارے میں جو اوصاف ضروری ہیں' ان کی ایک لمبی فہرست صاحب مقالہ نے پیش کی' اس پر مولانا نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے سورہ مدثر میں داعی اور مبلغ کی صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یاایها المدثر. قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطهر والرجز فاهجر ولا تمنن تستکثر. ولربک فاصبر

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے داعی کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا ہے:

۱-"وربک فکبر" توحید اس کے دل میں ہو اور اللہ کی ذات اور اس کی عظمت ہر چیز پر غالب ہو۔

۲-"وثیابک فطهر" مفسرین کا اتفاق ہے کہ ثیاب سے مراد یہاں اخلاق فاضلہ ہیں۔

۳-"والرجز فاهجر" ہر قسم کے شبہات، دینی، علمی، عملی اور اخلاقی کو اپنے سے دور رکھنا۔

۴-"ولاتمنن" یعنی جن کو دعوت دے رہا ہے' کسی پر احسان نہ جتلائے۔

۵- ''ولربک فاصبر'' داعی کو جو مشکلات پیش آتی ہیں' ان پر صبر کرنا۔ ایک داعی کے لئے یہ بنیادی اصول ہیں۔ باقی یہ کہنا کہ یہ امت کے تمام مذاہب سے واقف ہو یہ اور بات ہے' ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایک شخص صحیح مسلمان اور قناعت کی صفت کے ساتھ موصوف ہوتا ہے' وہ اپنے افعال واعمال سے بہت بڑے مجمع کو متاثر کر دیتا ہے' اگر چہ وہ رسمی طور پر بڑا عالم نہ ہو' جیسا کہ کوریا میں ہوا کہ وہ ترک سپاہیوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ یہ ترک مسلمان علماء نہ تھے' لیکن وہ صحیح مسلمان تھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ کوریا کے لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور ان کے اعمال کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔

باقی ''مسِ ید'' سے وضو کے ٹوٹ جانے کا مسئلہ جس پر آپ حضرات نے بحث کی ہے، مجھے اس پر تعجب ہوا۔ اسلام تو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک مرد اجنبی عورت کو ہاتھ لگائے۔ حضور ﷺ جو امت کے لئے بمنزلہ والد تھے' آپ نے کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک نے کسی اجنبی عورت کو نہیں چھوا۔ آپ زبانی بیعت فرماتے تھے تو بیعت کی حالت جہاں ہاتھ سے ہاتھ ملانے کی ضرورت ہے آپ اجنبی عورت کے ہاتھ نہیں لگاتے تھے' حالانکہ آپ بمنزلہ والد تھے۔''

اس پر صدر جلسہ نے آپ کا شکریہ ادا کیا۔

اس کانفرنس میں جاپان کے نمائندے ڈاکٹر عبدالکریم ساتیو نے اپنا مقالہ پڑھا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ: ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالکریم ساتیو کیسے اور کب مسلمان ہوئے؟

اس پر ڈاکٹر عبدالکریم ساتیو نے کہا کہ میں کافی عرصہ افغانستان میں رہا' اس وقت تک میں مسلمان نہیں ہوا تھا' لیکن وہاں کے قیام کے دوران اور مسلمانوں سے ملنے سے مجھے اسلام کے سمجھنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا' لیکن جب میں افغانستان سے واپس اپنے وطن جاپان گیا تو وہاں کچھ پاکستانی مسلمانوں سے میرا تعارف ہوا اور ان کے ذریعہ مجھے اسلام کے سمجھنے میں بہت مدد ملی' میں ان مسلمانوں کے اخلاق اور بود و باش سے بہت متاثر ہوا' میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا' یہی میرے اسلام کا سبب بنا۔ اس واقعہ پر تقریباً ۱۳ سال گذر چکے ہیں۔

اردن وفلسطین

صفر ۱۳۸۷ھ مطابق مئی ۱۹۶۷ء میں لیبیا سے واپسی پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ عمان، بیت المقدس اور دوسرے اہم شہروں میں تشریف لے گئے۔ اس سے پہلے بھی آپ کا ایک آدھ بار جانا ہوا' لیکن یہ آخری سفر تھا۔

عمان میں دینی، علمی اور سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ''رابطہ العلوم الاسلامیہ'' اور

''دار القرآن'' کے وجود پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

عمان کے بعد آپ بیت المقدس اور ابراہیم تشریف لے گئے' عمان میں آپ وہاں کے وزیر تعلیم کے مہمان رہے اور بیت المقدس میں آپ کے میزبان قدس شریف کے مفتی شیخ سعد الدین علمی تھے۔آپ نے کراچی پہنچنے کے بعد ان حضرات کو جو شکریہ کے خطوط لکھے ہیں' وہ اپنے ادبی اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور یہی حال آپ کا اپنے سب میزبانوں کے ساتھ تھا۔اس کے کچھ نمونے آپ کے خطوط میں دیکھ لئے جائیں۔ اس سفر کے اختتام پر ''بینات'' کے ربیع الاول ۱۳۸۷ھ کے ''بصائر و عبر'' میں کچھ عرب ممالک کی عام حالت اور جن خطرات کی نشاندہی فرمائی تھی' چند ہفتے بعد وہ حقیقت بن کر سامنے آ گئی اور مسلمانوں کا قبلہ اول اور ثالث الحرمین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حادثہ کبریٰ پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صدمہ کا ایک خط میں یوں بیان فرمایا جو آپ نے ''رابطہ عالم اسلامی'' کے جنرل سیکریٹری مرحوم شیخ محمد سرور الصیان کو لکھا تھا:

''السيد المحترم، ان قلبي يتقطع الما وحسرة مما حدث من تلك الحادثة الفادحة الكبرى في الشرق الأوسط كل ذالك من جزاء اعمالنا وبذل قوانا في غير خير البلاد واصلاح العباد، فانا لله وانا اليه راجعون

لاندري متى ينتهي هذه الكارثة وكيف ننقذ الامة العربية والاسلامية من عواقبها الوخيمة ونتائجها السيئة المؤلمة وقدآن لنا ان نستيقظ من سنتنا ونجمع كلمة الاسلام والمسلمين' ونقوم عن الذب عن بلاد الاسلام بكل ما امكن لنا من حول وطول من صرف العناية البالغة بتجهيز الجيوش واعداد الاسلحة وتأسيس مصانع آلات الحرب ثم فوق كل ذلك الثقة بالله والتوكل عليه والتوبة عما سبق والا نابة فيما يأتي، وما الى ذلك من وسائل مادية واسباب معنوية وعدم الثقة بالجهة الغربية او الشرقية والتمسك بأهداب الدين والجادة المستقيمة التي لاشرقية ولا غربية

نسأل الله السلامة والعافية لبلاد الاسلام جميعا. وفي الختام تقبلوا اطيب تمنياتي وأجزل تحياتي لسيادتكم والسلام عليكم ورحمة الله' مخلصكم محمد يوسف البنوري''.

ترجمہ:..... ''جناب محترم! شرق اوسط میں جو جانگداز سانحۂ کبریٰ رونما ہوا' اس پر رنج والم سے میرا دل پارہ پارہ ہے۔ یہ سب ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے' ہم نے خیر البلاد کی پاسبانی اور بندوں کی اصلاح کے بجائے اپنی قوتیں دوسری چیزوں میں ضائع کرڈالیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کچھ خبر نہیں کہ حادثے کا یہ طوفان کہاں پہنچ کر رہے گا اور عرب قوم اور امت اسلام کو اس ہولناک عواقب اور المناک بدترین نتائج سے نکالنے میں ہم کس طرح کامیاب ہوں گے۔ اب وقت کا تقاضا ہے کہ ہم خواب غفلت سے جاگ اٹھیں' سب مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کریں اور پوری طاقت وقوت اور ممکنہ وسائل مجتمع کر کے اسلامی ممالک کا دفاع کرنے کے لئے کھڑے ہوجائیں۔ فوجوں کی ترتیب وتربیت پر پوری توجہ کریں، اسلحہ جمع کریں، اسلحہ ساز کارخانے لگائیں، اوران سب چیزوں سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور بھروسہ کریں۔ گزشتہ تقصیرات سے معافی مانگیں اور آئندہ توبہ وانابت کا عزم کریں' الغرض مادی اور روحانی وسائل کے سلسلہ میں ہم جو کچھ کرسکتے ہیں کر گذریں۔ مشرقی یا مغربی بلاک پر بھروسہ نہ کریں۔ بلکہ دین کے دامن کو مضبوطی سے پکڑیں اور اس جادۂ مستقیمہ پر گامزن ہوں جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی..... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام اسلامی ممالک کو سلامتی وعافیت میں رکھے۔ آخر میں آنجناب کے حق میں میری بہترین تمنائیں اور عمدہ ترین دعائیں قبول فرمائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

اسی مناسبت سے آپ نے ''بینات'' کے ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ کے بصائر وعبر میں تفصیلی تبصرہ فرمایا جو پڑھنے کے قابل ہے۔ آپ نے شرق اوسط کے سانحہ کبریٰ کو سلطنت بخاریٰ کی تباہی اور خلافت عثمانیہ کی بربادی کے بعد سب سے بڑا المیہ قرار دیا اور اس سانحہ کبریٰ کے اسباب اور پس منظر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسرائیل نے گزشتہ فوجی میدان میں کیا کیا؟ اور ہمارے عرب ممالک کن کوتاہیوں میں مبتلا رہے۔ آپ نے مسلمان ملکوں کے اجتماعی امراض کو مندرجہ ذیل امور میں تقسیم فرمایا:

۱- اسلامی اخوت کے بجائے قومیت کا نعرہ۔

۲- اقتدار اور طاقت کے باوجود اسلامی قوانین الٰہیہ کو نافذ نہ کرنا۔

۳- تن آسانی، تن پروری، عیش وعشرت اور لہو ولعب پر مال ودولت کا برباد کرنا۔

۴- فوجی اور عسکری قوت اور جدید ترین جنگی اسلحہ سے مجرمانہ تغافل۔

۵- صرف مصنوعی، سطحی اور وقتی نعروں پر قوم کی تنظیم کا خبط۔

۶- اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اسلامی ودینی جہاد کی روح کو ختم کر کے ہوس ملک گیری اور شخصی قیادت کی بقاء کے جنون میں گرفتار ہونا۔

۷-اسلامی معاشرت کی جگہ ملعون قوموں کی تہذیب و معاشرت کو اپنانا۔

۸-اسلامی اخوت، ایثار و قربانی اور غریب پروری کے جذبہ کا ختم ہو جانا۔

۹ - غلط نظام معیشت کی وجہ سے ایک طبقے کا دولت کی فراوانی کے ہیضہ میں مبتلا ہو جانا اور دوسرے طبقے کا نان شبینہ کے لئے بلکنا۔

۱۰- اللہ تعالیٰ، مالک الملک، خالق و رازق اور قادر مطلق سے غفلت برتنا اور دنیائے کفر کی طاغوتی طاقتوں کو قبلہ حاجات سمجھنا اور ان سے ہمدردی اور خیر خواہی کی توقع رکھنا۔

۱۱-اسلامی نظام معیشت کی جگہ بینک کے موجودہ کافرانہ نظام مالیات کو اختیار کرنا اور اسی کو ذریعہ نجات اور مشکل کشا سمجھنا۔

۱۲-اسلامی فلسفہ تعلیم کی جگہ خدا بیزار اور آخرت فراموش نظام تعلیم کو اپنانا اور اسی کو معراج ترقی سمجھنا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جن اسباب کی طرف اشارہ فرمایا تھا، مراکش کے شاہ حسن کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

’’یہاں تک لکھ چکا تھا کہ روزنامہ جنگ ۱۴ جون ۱۹۶۷ء میں مراکش کے شاہ حسن کا بیان نظر سے گذرا۔ جس سے میری معروضات بالا کی تائید ہوتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

’’شرق اوسط کی حالیہ جنگ میں عربوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ عرب ریاستوں کا عدم اتحاد اور مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے گناہ ہیں۔ خدا نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے اور ہمیں متحد ہونے کی ہدایت کی ہے۔ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی توہین نہ کی جائے اور ہم نے زبانی اور تحریری طور پر ایک دوسرے کی توہین کی ہے۔ خدا نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے کہ ہم اس کے دیئے ہوئے احکام کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو خدائی قانون کے مطابق ڈھالیں۔ خدا نے ہم سے اس لئے آنکھیں موڑیں کہ ہم خود اس سے دور ہو گئے۔‘‘

آخر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان امراض کا علاج ذکر فرمایا ہے جس پر عمل کر کے سلمان دوبارہ عزت حاصل کر سکتے ہیں اور ان میں آج بھی خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی رحمہم اللہ کے جانشین پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن اگر مسلمان ہی صہیونی پارٹ ادا کرنے لگیں اور یہود و نصاریٰ اور ہنود و مجوس کی سی زندگی کو اپنا لیں تو اقبال کے لفظوں میں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تو خدا کو ایسے ''بدنام کنندہ نیکو نامے چند'' قسم کے نام نہاد مسلمانوں کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ شرق اوسط کے سانحہ کبریٰ سے اتنے متاثر تھے کہ آپ نے ''بینات'' کے تین شماروں میں اسی موضوع پر اپنے ''بصائر وعبر'' میں لکھا۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ کے بصائر وعبر میں پھر ان واقعات کا جائزہ لیا اور پوری عرب دنیا کے لئے اس سانحہ کو تازیانۂ عرب قرار دے کر ان کو نیک مشورے دیئے اور اسے عالم اسلامی کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے عالم اسلام کے اتحاد اور عرب ممالک کے سربراہوں کے بجائے عالم اسلام کے سربراہوں کی کانفرنس بلانے کا مشورہ دیا۔

نیز اس جنگ کے بعد عرب ممالک کا دو بلاکوں میں بٹ جانے پر نہایت تشویش کا اظہار فرمایا اور اسی ضمن میں مصر اور جمال عبدالناصر کی خوبیوں اور غلطیوں کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''جو کچھ پہلے لکھا گیا یا اب لکھا جارہا ہے الحمدللہ! وہ صرف اپنے ضمیر کی آواز ہے۔ نہ پہلے کسی کی غلطی کو خوبی سمجھا' نہ اب کسی کی واقعی خوبی سے انکار ہے''۔

کویت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ صفر ۱۳۸۷ھ مطابق مئی ۱۹۶۷ء جب لیبیا سے واپس ہوئے تو عمان اور کویت کے راستے واپسی ہوئی۔ کویت میں بھی چند روز قیام رہا اور وہاں کے حالات دیکھے۔ بعض عمومی تاثرات کا بیان سفر لیبیا میں گذر چکا ہے۔ کویت میں آپ کی ملاقات شام کے مشہور عالم الشیخ مصطفیٰ الزرقاء سے ہوئی' جن کو حکومت کویت نے اسلامی فقہ کی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کی غرض سے بلایا تھا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حکومت کویت کو دوسری ترقی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اسکے اس نیک منصوبے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خوشی کی بات ہے کہ وہ (حکومت کویت) اسلامی علوم ومعارف کی طرف بھی توجہ کررہی ہے۔ چنانچہ آج کل ''موسوعة الفقه الاسلامی'' (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) مرتب کروارہی ہے۔ اور اس مقصد کے لئے جامعہ دمشق کے مشہور عالم الشیخ مصطفیٰ الزرقاء کو دعوت دی گئی ہے اور موصوف اس خدمت میں اپنا وقت صرف کررہے ہیں۔ شیخ مصطفیٰ الزرقاء کا انتخاب نہایت عمدہ انتخاب ہے۔ موصوف کے قلم سے فقہ حنفی اور فقہ اسلامی کے چند مجلدات ''الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید'' اور ''المدخل الی الفقه الاسلامی'' کے نام سے چند سال پیشتر خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ قدیم عبارات کو جدید تعبیرات میں منتقل کرنے اور قانونی دفعات پر فقہ اسلامی کو مرتب کرنے میں اچھی خاصی مہارت کے مالک ہیں۔ موصوف نے ایک مقالہ راقم الحروف سے اور ایک مقالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے بھی لکھوانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ واللہ

الموفق''۔

''موسوعة الفقه الاسلامی'' کے سلسلہ میں شیخ مصطفیٰ الزرقاء کی طرف سے رسمی خط ملا' جس میں آپ سے التجا کی گئی کہ آپ ''وتر'' اور ''نوافل'' پر بحث لکھیں' لیکن آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کی بناء پر معذرت پیش کی' بعد میں معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان منصوبہ پر کام رک گیا ہے۔

پانچ سال تک کام رکے رہنے کے بعد حکومت کویت نے اس موسوعہ فقہیہ کے کام کو پھر شروع کرنے کا ارادہ کیا' اور اس سلسلہ میں کویت کے وزیر اوقاف اور امور دینیہ جناب یوسف حاسم الحجی نے آپ کو ۳-۶-۱۳۹۷ھ مطابق ۲۱-۵-۱۹۷۷ء کو ایک تفصیلی خط لکھا جس میں ''موسوعہ فقہیہ'' کی ضرورت اور اہمیت بیان کرنے کے بعد کہا کہ: اس کام کے پانچ سال رکا رہنے کے بعد اب ہماری وزارت نے اسے دوبارہ شروع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اور اس سلسلہ میں آپ ہماری جو بھی مدد کرسکتے ہیں' اس سے مطلع فرمائیں۔ چاہے کسی موضوع پر لکھنا ہو یا ہمارے کئے ہوئے کام پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وزیر موصوف کو جو عربی میں خط لکھا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے:

''آپ کا مکتوب مل کر باعث شرف ہوا۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ ''موسوعہ فقہیہ'' کے کام کو آپ نے عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کرلیا ہے۔ باری تعالیٰ اس کام کو نہایت خوبی اور کمال کے ساتھ تکمیل تک پہنچائے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کثرت مشاغل اور کمزوری صحت کی بناء پر آپ کی دعوت پر لبیک کہنے سے معذور ہوں۔ میں اپنی عمر کے ۷۰ سال سے تجاوز کرچکا ہوں اور آخرت کا سفر بالکل قریب آچکا ہے اور اب تو بس اسی کی فکر ہے۔ آخر میں آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور معذرت پیش کرتا ہوں''۔

مخلص محمد یوسف بنوری

۱۵ شعبان ۱۳۹۷ھ

لبنان

عرب ممالک کے سفر کے دوران بیروت سے آپ کا کئی بار گذر ہوا اور ایک بار آپ خالص علمی مقصد کے لئے تشریف لے گئے' وہ یہ کہ ''مجلس علمی'' کراچی جس کے آپ نگران اعلیٰ تھے' وہ حدیث کی مشہور کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' بیروت میں طبع کرا رہی تھی۔ اس کے کام اور کام کی رفتار کا جائزہ لینے کی خاطر چند روز کے

لئے تشریف لے گئے۔ الحمدللہ! کہ کتاب مکمل گیارہ جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔ بیروت اور دوسرے عرب ممالک کے بارے میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر لیبیا کے ضمن میں آچکا ہے۔ اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بیروت میں شیخ محمد زہیر شاویش جو کتاب مذکور کی طباعت کے مسئول تھے' ان سے آپ کی علمی خط وکتابت رہتی تھی۔ بیروت کے ڈاکٹر عمر فروخ آپ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے' مختلف علمی و دینی کانفرنسوں میں ملتے اور عقیدت کا اظہار کرتے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں جب قرآن کریم کی چودہ سوسالہ برسی منائی گئی اور راولپنڈی میں کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں عرب اور اسلامی ممالک کے علماء نے شرکت کی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کانفرنس میں پاکستان کے علماء کی طرف سے شریک تھے۔ اسی کانفرنس میں ایک سابق وزیر اردو میں اپنا مقالہ پڑھ کر سنا رہے تھے' جلسہ کی صدارت مرحوم شیخ امین الحسینی مفتی فلسطین کررہے تھے۔ وزیر موصوف نے اپنے مقالہ میں بعض نظریات ایسے پیش کئے جو سراسر اسلام کے خلاف تھے۔ سارا مجمع خاموش تھا کہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور زور سے چلا کر فرمایا:

''ایها السید الرئیس! الجم هذا الخطیب فقد خرج عن موضوعه''

صدر محترم! اس مقرر کو لگام دیجئے۔ وہ اپنے موضوع سے باہر نکل چکا ہے۔

اس پر صدر جلسہ نے یقین دہانی کرائی کہ بعد میں آپ کو وقت دیا جائے گا۔ آپ صاحب مقالہ پر رَد کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی کانفرنس میں بیروت کے ڈاکٹر عمر فروخ بھی تھے' کانفرنس کے اختتام کے بعد کراچی آئے اور حضرت مولانا سے ملنے مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تشریف لائے' بہت متاثر ہوئے۔ اپنے ان تاثرات کا اظہار انہوں نے اپنے ایک خط میں کیا جو بیروت سے مولانا کے نام لکھا تھا:

''میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے آپ جیسے حضرات سے ملنے کا موقع بخشا۔ راولپنڈی کانفرنس میں آپ کا جرأتمندانہ موقف کوئی بھی نہیں بھول سکتا۔ نیز آپ کے مدرسہ کا حسن نظام اور علوم اسلامیہ کے ساتھ اس قدر اعتناء دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ میں آپ کو عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد نئے اسلامی سال ۱۳۸۸ھ کے شروع ہونے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ رہنے والے مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔

عمر فروخ

۵۔۱۲۔۱۳۸۷ھ

مطابق ۴۔۳۔۱۹۶۸ء

بیروت میں دینی کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''بصائر و عبر'' میں فرمایا:

''بیروت میں جماعت ''عباد الرحمٰن'' اور مفتی لبنان کا مدرسہ اور عمان میں ''دار القرآن'' اور رابطۃ العلوم الاسلامیہ وغیرہ ان ظلمات میں امید کی کرنیں ہیں۔''

سوریا (شام)

بلاد شام سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا علمی تعلق رہا ہے۔ کئی بار وہاں جانا ہوا۔ دمشق یونیورسٹی میں آپ کے محاضرات ہوئے۔ دمشق کے مشہور عالمی علمی ادبی اور ادارہ مجمع اللغۃ العربیہ کے آپ پاکستان کی طرف سے مستقل رکن تھے اور مجمع کی رکنیت کے لئے انتخاب ایسی شخصیات کا ہونا تھا جو اپنی علمی اور ادبی حیثیت سے ممتاز ہوں۔

اسی ادارہ کے سہ ماہی مجلّہ ''مجلة مجمع اللغة العربية'' میں امام ترمذی اور ان کی کتاب جامع پر آپ کا ایک نہایت علمی اور مفصل مقالہ شائع ہوا، جسے علماء نے بنظر استحسان دیکھا اور اس کی قدر کی۔

آپ چاہتے تھے کہ اسی طرز پر تمام صحاح ستہ کے مصنفین پر مفصل مقالات لکھیں، لیکن:

''وكم حسرات فى بطون المقابر''

شام کے کئی علماء حضرات نے آپ سے حدیث کی اجازت لی۔ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر مرحوم شیخ عبدالحمید خطیب جو آخری عمر میں دمشق میں آباد ہو گئے تھے، نیز سوریا کے سابق سفیر جواد المرابط یہ حضرات دمشق میں آپ کے میزبان بنتے اور انتظار میں رہتے کہ کب آپ کا دمشق سے گذر ہوتا ہے۔

عراق

عراق سے بھی آپ کا علمی اور قلبی تعلق تھا، کئی بار بغدا جانا ہوا یا وہاں سے گذر ہوا۔ بغداد جا کر قرون اولیٰ کی علمی تاریخ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہاں کی لائبریریوں میں تشریف لے گئے، علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، اپنی تالیف ''معارف السنن'' ان کو ارسال فرمائی۔

عراق کی وزارت اوقاف اور مذہبی امور کی طرف سے علماء اسلام کی کانفرنس بلائی گئی جس میں وزیر اوقاف نے آپ کو دعوت دی۔ کثرت مشاغل اور صحت کی ناسازی کی بناء پر معذرت فرمادی۔

عراق کے سابق سفیر برائے پاکستان آپ کی بہت قدر اور عزت کرتے تھے، سفیر موصوف کی والدہ محترمہ کا جب انتقال ہوا تو آپ نے ان کو تعزیت نامہ ارسال فرمایا جو عربی ادب اور اپنے معانی کے اعتبار سے ممتاز ہے۔ اسے آپ کے خطوط کے ضمن میں دیکھ لیا جائے۔

ایک بار آپ حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور ٹکٹ براستہ بغداد تھا، لیکن آپ کو عراق کا ویزا نہ

مل سکا۔ آپ ہوائی جہاز سے بغداد ایئرپورٹ پر اترے۔ ایمیگریشن آفیسر نے جب دیکھا کہ آپ کے پاس ویزا نہیں ہے تو کمپنی سے کہا کہ: ابھی ان کو اسی جہاز سے واپس لے جاؤ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اڑ گئے اور فرمایا کہ: میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ: آپ نے ویزا کیوں نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا کہ: میں عراقی سفارت خانہ گیا تھا، لیکن تمہارا ویزا آفیسر غائب تھا۔ اور فرمایا کہ: کیا تمہارے پاس اضطراری ویزا دینے کا اختیار نہیں ہے؟ آپ کی گفتگو سے اس پر اتنا اثر ہوا کہ فوراً اس نے اضطراری ویزا لگایا اور دوست بن گیا اور عرض کیا کہ دوسرے جگہ کی روانگی تک آپ میرے مہمان ہیں اور حج سے واپسی پر بھی آپ تشریف لائیں اور کچھ دن آپ یہاں ضرور ٹھہریں اور مجھے مہمانی کا شرف حاصل کرنے دیں۔ جس پر آپ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے وقت ادھر سے گذرنے سے معذرت فرمائی۔

مراکش

مراکش سے بھی آپ کے علمی تعلقات تھے۔ پاکستان میں مراکش کے سفیر جناب محمد سعدانی سے گہرے علمی راوبط تھے۔ سفیر موصوف اپنے ہاں کی علمی کتابیں جو وہاں طبع ہوتی تھیں، مدرسہ کے لئے ارسال کرتے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ان ہی کے ذریعے مراکش کے لئے بطور ہدیہ بھیجی گئیں۔

مراکش کے شاہ حسن کی طرف سے حضرت مولانا مرحوم کو دعوت دی گئی، تاکہ آپ وہاں دینی موضوعات پر علمی مقالات پیش فرمائیں، لیکن اس وقت کی حکومت نے آپ کو سفر کرنے سے روک دیا۔

اور سمبر ۱۹۶۹ء میں مراکش کے دارالحکومت ''رباط'' میں جب اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس ہورہی تھی تو آپ نے سربراہوں کے نام عربی میں ایک پیغام ارسال فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

''امت اسلامیہ کے قائدین اور سربراہان ممالک اسلامیہ اللہ تعالیٰ نے ''جہاد'' کو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے نہایت مؤثر وسیلہ بنایا ہے۔ جب دعوت وارشاد کے راستے ناکام ہوجاتے ہیں تو جہاد ہی کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کا کھویا ہوا مجد وشرف واپس لوٹایا جاسکتا ہے۔

آج مسلمانوں کے قبلہ اول اور ارض الانبیاء پر یہود قوم کا تسلط ہے، جن کو انبیاء کی زبان پر ملعون قرار دیا گیا ہے، پھر ان کا مسجد اقصیٰ کو جلانا، مسلمانوں کے اموال کو لوٹنا، ان کا بے گناہ خون بہانا اور ان پر وحشیانہ ظلم وغیرہ یہ اس قوم کی تاریخی جرائم پیشہ طبیعت کی ایک مثال ہے، لیکن یہ سب کچھ جو ہوا اس کے بنیادی اسباب دو ہیں۔

ایک: دشمنان اسلام پر اعتماد اور بھروسہ جو بظاہر تعاون کا دعویٰ کرتے ہیں اور اندر سے مسلمانوں اور اسلام کی جڑیں کاٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

دوسرا: آرام وراحت کا عادی ہونا، مغربی تہذیب پر فدا ہونا اور دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

قرآن کریم نے ہمیں بار بار جہاد کی تاکید، فوجی طاقت کی تیاری، انفاق فی سبیل اللہ، جان کی قربانی، اتحاد واتفاق جیسے اصولوں کی تاکید فرمائی ہے اور ہمیں اختلاف وافتراق سے روکا ہے اور احادیث میں تفصیل کے ساتھ دونوں پہلوؤں کے نتائج کو بیان کیا گیا ہے۔

امت اسلامیہ کے نمائندو! پاکستان کے غیور علماء اور عوام آپ کو اسلام اور دین کے نام سے یہ دعوت دیتے ہیں کہ آپ بیت المقدس اور مقبوضہ فلسطین کو ان ناپاک یہودیوں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے جسد واحد اور سیسہ پگھلی ہوئی دیوار کی طرح ایک ہوکر اعلانِ جہاد کریں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اپنے تمام امکانی اسباب کو فوجی قوت کی تیاری میں صرف کردیں اور اپنے عزم اور تدبیر میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتیں، ہر اسلامی ملک اپنی فوجیں میدانِ جہاد کی طرف بھیجنے کا عہد کرے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام ضروریات جہاد اور امدادی سامان میں بھی کوتاہی نہ ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ: جب تم اللہ سے عزت طلب کروگے تو اللہ تمہیں عزت بخشے گا اور جب غیر اللہ سے عزت کے طالب ہوگے تو اللہ تمہیں ذلیل کرے گا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر یقین ہے کہ آپ نے صدق دل سے اس پر عمل کیا تو آپ کے سروں پر کامیابی کے جھنڈے لہرائیں گے اور اللہ کے فرشتے آپ کی مدد کو آئیں گے اور اللہ کا کلمہ بلند ہوگا اور کافروں کا کلمہ نیچا ہوگا''۔

''کسی مریض پر اگر بحرانی کی کیفیت طاری ہوجائے اور اس کی حالت دگرگوں نظر آنے لگے تو اس کے گھر والوں، تیمارداروں اور معالجوں کی توجہ ہر طرف سے ہٹ کر مریض پر جم جاتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنا کاروبار بھول جاتے ہیں بلکہ یہ حادثہ انہیں انسان کی طبعی ضروریات سے بھی غافل کردیتا ہے اور اہم سے اہم مشاغل ثانوی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ بالکل یہی حال اس وقت عالم انسانیت کا ہے۔

(بصائر وعبر، جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ)